اختر راہی

قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مطالعۂ عیسائیت - ۱

"وہ علم و عمل، زہد و کمال اور فضل و ورع دونوں کے جامع تھے۔ روشن دل اور روشن دماغ دونوں تھے۔ اُن کے جدید و قدیم دونوں خیالات حدِ اعتدال پر تھے۔ عربی زبان اور علوم دین کے مبتّر تھے۔ تورات و انجیل پر فاضلانہ و ناقدانہ نگاہ رکھتے تھے۔ غیر مسلموں سے مناظرہ کے شائق تھے مگر ان کے مناظرہ کا طرز سنجیدگی و متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ تھا---"[۱]

مندرجہ بالا اقتباس ایک تعزیتی شذرے سے لیا گیا ہے جو علامہ سیّد سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) نے اپنے ایک ہم نام معاصر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی رحلت پر ان کے بارے میں لکھا تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تصنیفات معروف اور مقبول ہیں مگر ان کے سوانحی حالات پر چند سرسری تحریروں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔[۲]

سوانحی حالات

ان تعزیتی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سابق ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں منصور پور کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان میں علم و فضل کی روایت چلی آرہی تھی اور ان کے والد ماجد قاضی حاجی احمد شاہ (م ۱۹۱۰ء) دیندار اور صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے۔ مہاراجا بھوپندر سنگھ والیٔ پٹیالہ ان کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔ ایک بار مہاراجا پٹیالہ نے ان کے بارے میں کہا کہ[۳] "قاضی صاحب کی ہستی پر مسلمانانِ ہند جس قدر بھی فخر اور ناز کریں، وہ بجا ہے لیکن وہ میری ریاست کی بھی ایک ہی مقدس ہستی ہیں۔ میں نے کبھی ان کو نام لے کر نہیں پکارا، ہمیشہ باباجی یا قاضی صاحب سے خطاب کیا کرتا ہوں۔"

قاضی محمد سلیمان منصور پوری "مسلکاً اہلِ حدیث تھے مگر اماموں اور مجتہدوں کی دل سے عزت اور ان کی محنتوں اور جان فشانیوں کی پوری قدر کرتے تھے۔"[۴] قدیم علم کے جامع تھے مگر جدید کو نظرانداز کرنے کے قائل نہ تھے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن تھے۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور، انجمن نعمانیہ لاہور اور سیرت کمیٹی پٹی کے جلسوں کے اہم مقرّرین میں شامل تھے۔

۱۹۲۲ء میں پہلی بار انہوں نے فریضۂ حج ادا کیا اور ۱۹۳۰ء میں دوسری بار اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ مکّہ معظمہ میں قیام کے دوران میں ان کی طبیعت ناساز ہوئی مگر وقتی طور پر سنبھل گئی۔ واپسی پر جہاز میں ان کی طبیعت یک دم دوبارہ ناساز ہو گئی اور یکم محرم ۱۳۴۹ھ/ ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء کو دورانِ سفر ہی میں وفات پائی۔ جہاز کے ایک رفیقِ سفر اور ان کے ہم مسلک مولوی سیّد اسماعیل غزنوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میّت سمندر کی موجوں کے سپرد کر دی گئی۔[۵] انہیں قبر کے لیے خشکی کا کوئی قطعہ تو نہ ملا تاہم ان کی تحریروں سے فیض یاب ہونے والوں کے دلوں میں ان کی عقیدت و محبت قائم رہے گی۔ بقول شاعر

بعد از وفات تربتِ ما را در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ما

تالیفات

قاضی محمد سلیمان منصور پوری سے چھوٹی بڑی ۲۳ کتابیں، متعدّد مقالات، خطبات اور مکتوبات یادگار ہیں۔ ان میں سے ایک "المسح علی الجوربین" عربی میں ہے۔ باقی میں سے تین عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں اور ۱۹ اصلاً اردو میں لکھی گئی ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے قاضی صاحب کی تالیفات میں بڑا تنّوع پایا جاتا ہے۔ تفسیر و حدیث، فقہ، تاریخ و تذکرہ اور تقابلِ ادیان ان کی توجّہ کا مرکز رہے ہیں۔ مطالعۂ عیسائیت سے متعلق ان سے مندرجہ ذیل پانچ مختصر تحریریں یادگار ہیں۔

۱۔ استقامت ۲۔ بُرہان
۳۔ انجیلوں میں خدا کا بیٹا ۴۔ ایک عرض کا جواب
۵۔ ہستی باری تعالیٰ پر ایک دلیل

قاضی صاحب کی باقی کتابوں میں سے اکثر میں مطالعۂ عیسائیت کی جھلک ملتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۹۰۸ء) کے دعاوی اور علم الکلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت، ان کے رفع الی السماء اور دوبارہ نزول کے بارے میں مباحث شامل ہیں۔ قاضی صاحب نے مرزا قادیانی کے رسائل "فتح الاسلام" اور "توضیح المرام" کے جواب میں غایۃ المرام [طبع اول: ۱۸۹۱ء] مرتب کی۔ اسی طرح مرزا صاحب کی تالیف "ازالہ اوہام" پر تائید الاسلام [طبع اوّل: ۱۸۹۸ء] میں گرفت کی۔ ان دونوں کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ بائبل بھی پیشِ نظر رہی ہے۔

قاضی صاحب کو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ ۱۸۹۹ء میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر انہوں

نے مختصر رسالہ "مہرِ نبوۃ" تالیف کیا جس کا ہر فقرہ ان کے بقول[6] "صحیح روایت سے لیا گیا ہے اور بڑے بڑے مطالب کو چھوٹے چھوٹے فقروں میں ادا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔" "مہر نبوۃ" کے بعد انہوں نے سیرت پر جامع کتاب "رحمتہ لعالمین" کے نام سے لکھنا شروع کی جو تین جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۱۳ء میں طبع ہوئی۔ دوسری ۱۹۲۱ء میں اور تیسری ان کی رحلت کے بعد ۱۹۳۲ء میں منصۂ شہود پر آسکی۔ "رحمتہ للعالمین" کے ساتھ ایک مختصر رسالہ "اسوۂ حسنہ" بھی ان سے یادگار ہے۔

"مہر نبوۃ"، "اسوۂ حسنہ" اور "رحمتہ للعالمین" کے علاوہ سیرت النبی پر قاضی صاحب کی چند تقریریں محفوظ ہیں، جنہیں ان کے بھتیجے ابوالفضل حبیب الرحمٰن طارق[7] (م ۱۵ جولائی ۱۹۵۷ء) نے دو مختصر جلدوں میں "مضامین سلمان المعروف بہ سیّد البشر" کے نام سے مرتب کر دیا تھا۔[8]

قاضی صاحب نے اپنے پہلے حج کے حوالے سے سفر نامہ "سبیل الرشاد" مرتّب کیا تو اس میں ان کے مطالعۂ عیسائیت کی جھلک موجود تھی۔ ان کے خطبات میں بھی مطالعۂ عیسائیت اور عیسائی پادریوں کے اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابوں کی بازگشت محسوس ہوتی ہے۔ "تبلیغ الاسلام" اور "کیا اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا؟" کے موضوعات پر انہوں نے جو کچھ کہا، اس میں عیسائی پادریوں کے اعتراضات پیشِ نظر رہے ہیں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا مطالعہ عیسائیت

زیر نظر مقالے میں ہم پہلے قاضی صاحب کے ان پمفلٹوں کا مطالعہ کریں گے جو براہ راست مطالعۂ عیسائیت سے متعلق ہیں اور پھر قاضی صاحب کی دیگر کتابوں کے حوالے سے ان کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیں گے۔ واضح رہے کہ مطالعۂ عیسائیت کے حوالے سے قاضی صاحب کے پانچوں پمفلٹ بصورت خطوط لکھے گئے تھے۔

*استقامت

اس پمفلٹ کے بارے میں قاضی محمد سلیمان نے لکھا ہے کہ

"میں دفتر جا رہا تھا کہ راستہ میں پوسٹ مین نے مجھے ایک خط دیا جس میں صاحبِ مکتوب نے ارقام فرمایا تھا کہ اگر مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا تو میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ میں یہ جملہ پڑھ کر معاً گھر کی طرف لوٹا کہ مبادا دیر ہو جائے اور وہ اسلام چھوڑ دے چنانچہ آدھ گھنٹہ میں یہ خط لکھا۔ ڈاک میں ڈالا اور پھر دفتر روانہ ہوا۔

جب یہ خط ان کے پاس پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اطمینانِ قلب اور سکینہ عطا کیا اور وہ پوری استقامت سے اسلام کے منّاد اور واعظ بن گئے اور اس مبارک خدمت میں

رحمت حق سے واصل ہوئے۔"

مکتوب نگار نے عیسائیت کی جانب مائل ہونے کے حسب ذیل اسباب بیان کیے تھے۔

۱۔ قرآن مجید میں بہت سی باتیں ہیں جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے زندہ سلامت باہر آنا۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم خدا کی جانب سے نہ تھی۔

۳۔ مسلمان مذہبی مسائل پر باہم لڑتے جھگڑتے ہیں اور نماز کے مسئلوں پر کچہریوں میں جانے کی نوبت آتی ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہا گیا ہے۔ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابنِ خدا ہونا مراد ہے۔

۵۔ عرب کے بدو، جو اسلام کے پیروکار ہیں، جاہل اور غیر متمدن ہیں۔

قاضی صاحب نے ان سوالات / اشکالات کے جواب میں کبھی تو "الزامی" انداز اختیار کیا ہے اور کبھی تجزیہ و وضاحت سے کام لیا ہے۔ قاضی صاحب خوارقِ عادت اور معجزات کو برحق سمجھتے تھے اور یہ ضروری خیال نہیں کرتے تھے کہ دین کا ہر اصول اور ضابطہ عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے چنانچہ وہ معجزات کو عقل سے ثابت کرنے کی بجائے "الزامی جواب" کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں "

"جنابِ من! اگر آپ عیسائیوں کے مندرجہ ذیل بیانات کو صحیح تصور کرتے ہیں۔

۱۔ اسرائیل رات بھر خدا کے ساتھ کُشتی کرتا رہا۔

۲۔ یوشع نے چادر مار کر دریا کو چیر ڈالا اور اس میں سے خشک نکل گیا۔

۳۔ یوشع کے لیے آسمان سے آتشیں رتھ آیا اور وہ اس میں سوار ہو کر آسمان کو چڑھ گیا۔

۴۔ یونس تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہ کر زندہ نکلا۔

۵۔ مسیح تین دن تک قبر میں مُردہ رہ کر پھر زندہ ہوا اور حواریوں کی آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھ گیا وغیرہ وغیرہ

تو پھر تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جلتی آگ سے سلامت نکل جانا کیوں آپ کی ٹھوکر کا سبب ہوا۔"

دوسرے اشکال کے جواب میں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم خدا کی جانب سے نہ تھی، قاضی صاحب نے منطقی اور تجزیاتی انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہود اور نصاریٰ موجود تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جدا جدا نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ یہود جہاں ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگا رہے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

مسترد کر رہے تھے، وہیں نصاریٰ انہیں تین میں سے تیسرا خدا کہہ رہے تھے۔ اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ تعلیم ان کی اپنی ہوتی تو عقلاً اس بات کا گمان تھا کہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی ایک کی تائید کرتے ہوئے اپنی قوت بڑھا لیتے مگر انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی اور سچائی کا اعلان کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بلند مرتبے اور پیغمبری کی شہادت دی اور اس طرح یہود کو ناراض کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کا شکار ہو گئے تھے، ان کی غلطی واضح کی۔ اس پر یہ امر ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ بیان کیا وہ کسی انسانی پالیسی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتایا گیا تھا۔

مذکورہ بالا منطقی استدلال کے ساتھ قاضی صاحب نے مزید لکھا ہے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے اور وہ بھی نہایت کسمپرسی کے عالم میں تھے، اس وقت قرآن مجید نے امت مسلمہ کے شاندار مستقبل کی پیش گوئی کی تھی جو وقت کے ساتھ درست ثابت ہوئی۔ قرآن مجید کی پیش گوئیوں کا درست ثابت ہونا اس کے من جانب اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

تیسرے اعتراض کو حقیقت واقعہ کے طور پر قاضی صاحب تسلیم کرتے ہیں تاہم انھوں نے واضح کیا ہے کہ ارکانِ صلوٰۃ یعنی قیام، قرأتِ قرآن، سجدہ، جلسہ اور سلام پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

چوتھے سوال کے جواب میں انھوں نے "روح اللہ" کی تشریح کی ہے کہ قرآن مجید "روح اللہ" کو وہ بندہ قرار دیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ (اِن ھُوَ عَبد انعَمنَا علیہ) اس لیے روح اللہ کو ابن اللہ کہنا درست نہیں۔

آخری اشکال کے بارے میں قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ"

> "یہ بدوی خواہ بے علم ہیں، خواہ وحشی ہیں، خواہ اپنے نبی کریم سے چودہ سو برس بعد ہوئے ہیں لیکن اگر ان کے اعتقاد کو جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک سے ہے، اس اعتقاد سے جو مسیح کے شاگردوں کا مسیح کی نسبت خود مسیح کے الفاظ میں ثابت ہے، مقابلہ کریں گے تو آپ کو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا اور بے اختیار آپ کو کہنا پڑے گا۔
> چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"

قاضی صاحب نے مکتوب نگار کے اشکالات دور کرنے کے ساتھ عیسائیوں کی تصورات اور عقائد پر تنقید و تبصرہ کیا ہے۔ تصور جہاد، حضرت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بائبل کی پیش گوئیوں اور انبیاء علیہم السلام کی نسبت بائبل کے بیانات کہ وہ کبائر کے مرتکب ہوئے، پر بالخصوص روشنی ڈالی

ہے۔

* برہان

"برہان بھی "استقامت" کی طرح ایک خط کی شکل میں ہے جو ایک پادری صاحب کے چند سوالوں کے جواب میں لکھا گیا مگر اس کا پس منظر بہت دلچسپ ہے۔

جون ۱۹۰۳ء میں گوجرانوالہ کا ایک گریجویٹ مدرّس عبدالغفور (۱۸۸۲ء - ۱۹۶۰ء) حلقۂ اسلام سے نکل کر آریہ سماجی ہوگیا اور دھرم پال کا نام اختیار کر کے اسلام کے خلاف لکھنے لگا۔ اس نے "ترکِ اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اسلام کے خلاف آریہ سماجی مناظروں کے تمام اعتراضات کو یکجا کر دیا۔ "مسلسل گیارہ سال آریہ سماجی عقائد و نظریات کی تبلیغ کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس نے ایک برہمن نژاد بیوہ گیان دیوی سے شادی کر لینے کا فیصلہ کیا۔ ہندو اور آریہ سماجی عقائد اور سماجی ضابطوں کے مطابق اولاً کسی بیوہ کو شادی کی اجازت نہ تھی اور ثانیاً کوئی غیر برہمن مرد، برہمن نژاد خاتون سے رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے یہ بات خارج از امکان تھی کہ آریہ سماجیوں کی اشیرباد سے دھرم پال اور گیان دیوی باہم رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے چنانچہ دھرم پال نے ایجاب و قبول کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دو انگوٹھیاں بنوائیں، ایک پر "گیان" اور دوسری پر "دھرم" کے الفاظ کندہ کرائے اور مقررہ تاریخ کو ایک عیسائی، ایک سکھ اور دو مسلمانوں کے روبرو گیان دیوی نے دھرم پال کو اور دھرم پال نے گیان دیوی کو انگوٹھی پہنا کر ایجاب و قبول کر لیا۔

آریہ سماج نے نہ صرف اس شادی کی بھرپور مخالفت کی بلکہ دھرم پال کے مکان کا گھیراؤ کیا اور اسے خوب زد و کوب کیا۔ ہندو معاشرہ ایسے جوڑے کی اولاد کو اعلیٰ مقام دینے کو تیار نہیں جس کا ایک فرد مسلمان نژاد ہو چنانچہ دھرم پال نے مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں اور دوسرے مذہبی گروہوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ جو مذہب ان کی شادی کو درست تسلیم کرتے ہوئے ان کی اولاد کو اپنے ہاں برابر کا رُتبہ دے گا، وہ اس مذہب میں شامل ہو جائے گا۔ "[۳] اس اپیل کا نتیجہ کیا نکلا؟ دھرم پال کے الفاظ میں[۴]

> "ہندوؤں کے پاس اس چیلنج کا جواب نہیں تھا کیوں کہ ان کے نزدیک یہ شادی سراسر ناجائز تھی۔ آریہ سماج کے منہ پر ویسے ہی مہر لگ چکی تھی --- عیسائیوں کی طرف سے جواب ملا کہ اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو تمہیں یہ شادی ازسرِ نو کرنی ہوگی۔ سکھوں کی طرف سے بھی اسی قسم کا جواب آیا۔ میں ریشنل اور نیشنل ریلیجن آف انڈیا کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ادھر مجھ سے چند میل کے فاصلے پر غیبی طاقت میرے ریشنلزم اور نیشنلزم کا جواب لکھا رہی تھی۔ آخر یہ جواب بذریعہ ڈاک مجھ تک پہنچا۔ میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ پوسٹ

مین نے میری میز پر ڈاک لا کر رکھ دی۔ میں نے دیکھا کہ ڈاک میں ایک وزنی لفافہ ہے۔ میں نے اس کو کھولا۔ یہ چالیس صفحے کا ایک خط تھا اور اس کے لکھنے والے پٹیالے کے سیشن جج جناب قاضی محمد سلیمان تھے۔ انہوں نے یہ خط مجھے بھٹنڈے سے بھیجا تھا جہاں وہ اس وقت مقیم تھے۔ اتنا لمبا خط مجھے کسی کی طرف سے نہیں ملا تھا۔ یہ خط میری اپیل کا جواب تھا۔ اس میں احادیثِ اسلامی اور کتبِ سیر سے اسی بات پر مہر تصدیق ثبت کی گئی تھی کہ گیان دیوی کے ساتھ شادی جیسی اور جس صورت میں کی گئی ہے، وہ اسلامی نقطۂ نظر سے نہ صرف جائز ہے بلکہ وہ احسن ہے اور یہ کہ شادی کی اس شکل سے بہتر کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی۔ اسلامی نقطۂ نظر سے شادی کرنے والا جوڑا عاقل و بالغ ہے اور تعلیم یافتہ ہے۔ شادی کے گواہوں میں دو کی بجائے چار گواہ ہیں اور وہ چاروں تعلیم یافتہ اور ذمہ دار ہستیاں ہیں اور یہ کہ اگر دھرم پال جی اور گیان دیوی جی مسلمان ہو جائیں یا ہونا چاہیں تو ان کو شادی کی تجدید کی ہر گز ضرورت نہیں ہوگی۔"

قاضی صاحب نے اپنے خط میں اس امر پر بحث کی ہے کہ دھرم پال کو حلقۂ اسلام میں آ جانا چاہیے۔ ہندومت اور عیسائیت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی برتری دکھائی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ [16]

"اگر آپ اس خط کے ساتھ میرے مختصر رسالہ "استقامت" کو بھی پڑھ لیں تو میں سمجھوں گا کہ مجھے محضر نویسی کا حق ہے۔"

دھرم پال خط پڑھ کر قاضی صاحب کے ہاں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ دھرم پال سے "غازی محمود دھرم پال" بن گئے اور ۱۹۱۴ء سے آخر دم تک ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ [17]
غازی محمود دھرم پال نے قاضی صاحب کا خط اپنے جریدہ "المسلم" بابت جولائی ۱۹۱۴ء میں شائع کر دیا جسے پڑھ کر ایک پادری صاحب نے حسب ذیل سوالات بھیجے۔

۱۔ تورات، صحف انبیاء، انجیل اور قرآن شریف آپس میں کیا نسبت رکھتے ہیں؟
۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج کیا ہیں؟ اور ان کی باہم کیا نسبت ہے؟
۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس بات میں نمونہ ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس بات میں نمونہ ہیں۔
۴۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی میں دوسروں سے کیا برتاؤ تھا اور یہ برتاؤ کس طرح دوسروں سے زیادہ بہتر ہے۔

قاضی صاحب نے واضح کیا ہے کہ تورات اور قرآن مجید میں ایک خاص بات مشترک ہے جو

انجیل کو حاصل نہیں۔ یعنی تورات اور قرآن کے الفاظ اور عبارات کی اشاعت خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہو گئی تھی جب کہ موجودہ اناجیل میں سے کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں مرتب نہیں ہوئی تھی۔ مگر کیا تورات قرآن کے برابر ہے؟ قاضی صاحب نے یہودی اور عیسائی علماء کی آراء اور ان میں باہم اختلاف دکھا کر ثابت کیا ہے کہ[18] "موجودہ تورات میں سے وہی حصہ قرآن کے برابر ہے جو بلا کسی اختلاف کے الہامی ہے۔"

قاضی صاحب کے الفاظ میں بعض مسیحی علماء نے قرآن مجید کی تفتیش کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ قرآن مجید اور بائبل کے مضامین کا باہم تقابل کیا جائے، جو حصہ بائبل کے مطابق ہے، وہ صحیح مان لیا جائے اور جو بائبل کے موافق نہیں اسے درست تسلیم نہ کیا جائے۔ مگر یہ اصول اسی صورت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے جب بائبل اور تورات کے تقابل پر بھی چسپاں کیا جائے۔ یعنی بائبل کی ان تمام روایات اور اعمال کو غلط سمجھ لیا جائے جو سابقہ شریعت یعنی تورات کے مطابق نہیں۔ اگر تورات پر بائبل کے اضافوں کے باوجود بائبل ہی سچی اور صحیح ہے تو بائبل پر قرآن کے اضافات کو صحیح کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔

اس موقع پر قاضی صاحب نے تورات اور اناجیل کے اختلاف کی متعدد مثالیں دی ہیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں قاضی صاحب نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں اولوالعزم، برگزیدہ اور خدا کے نبی ہیں۔ ان کے صدق و امانت پر ایمان لانا ہر ایک مومن کے لیے لازمی ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یکے بعد دیگرے بنی اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے اور انہوں نے یہی دعویٰ کیا البتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ پوری دنیا کے لیے پیغام لائے ہیں۔

تیسرے اور چوتھے سوال کو یکجا کرتے ہوئے قاضی صاحب نے جواب دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وعظوں پر غور کرنا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں سے آخری وعظ میں کہا کہ

> "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے تو وہ تمہیں سچائی کی راہ بتائے گا۔ اس لیے وہ اپنی نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (یوحنا: باب ۱۶)

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وعظ میں فرمایا کہ تمہارا دین مکمل ہو گیا ہے اور آج اللہ کی نعمت اتمام کو پہنچ گئی ہے۔

قاضی صاحب نے بائبل کی "روحِ حق" کا مصداق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور ان

تاویلوں کا جواب لکھا ہے جو "روحِ حق" کے حوالے سے عیسائی مناد اور شارحینِ بائبل نے کی ہیں۔ لکھتے ہیں۔[۱۱]

"اس روحِ حق نے اُس سچائی کو مکمل کرنا تھا جس کا آغاز حضرت مسیح فرما چکے تھے۔ اس نے سنے ہوئے کو جوں کا توں ادا کرنا تھا۔ اس نے علومِ غیب کے دروازوں کو کھول دینا اور خشک میدانوں میں علم کے دریا بہا دینے تھے۔ اُس نے مسیح کی عظمت کو جانشین و دل گزیں بنانا تھا۔ اب دیکھو اور غور سے دیکھو کہ سیدنا محمد النبی الامی ﷺ کے سوا اور کسی نے ان کاموں کو پورا کیا۔ کس نے ابتدائے آدم سے لے کر تا ایں دم دعویٔ کمال کا اعلان کیا ہے۔ اتمامِ نعمتِ الٰہی کا شاہی فرمان پڑھ کر سنایا ----"

حواشی

۱۔ سید سلیمان ندوی، یادِ رفتگاں، کراچی: مکتبۃ الشرق (۱۹۵۵ء)، ص ۱۲۰

۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی اکثر کتابوں کے ناشر مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی (م ۱۹۵۹ء) نے ان کی سوانح حیات "سیرت سلمان" [قاضی صاحب شعر کہتے اور سلمان تخلص کرتے تھے۔] مرتّب کی تھی اور اس کا اشتہار بھی شائع ہوتا رہا مگر کوشش کے باوجود اس کا کوئی نسخہ نظر سے نہیں گزر سکا۔

۳۔ قاضی حبیب الرحمن، دیباچہ "سیرت آنحضرت"، لاہور: نقوش پریس (۱۹۵۷ء)، ص ۲

۴۔ سیّد سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۰

۵۔ غلام رسول مہر، سفر نامۂ حجاز [مرتبہ: ابو سلمان شاہجہانپوری]، کراچی: مکتبہ اسلوب (۱۹۸۴ء)، ص ۱۱۲-۱۱۳

۶۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مہر نبوۃ، لاہور: سبحانی اکیڈمی (۱۹۷۵ء)، ص ۱۱۰

۷۔ ابوالفضل حبیب الرحمن طارق کی روایت کے مطابق قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا "ایک یہ بھی خیال تھا کہ سیرتِ نبویہ میں ایک کتاب محض قرآن مجید سے اور ایک کتاب محض بائبل سے تصنیف فرمائیں چنانچہ اس کے متعلق چند ایک یادداشتیں چھوڑی بھی تھیں۔"

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی اس خواہش کو ابوالفضل حبیب الرحمن طارق نے پورا کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس مطالعہ کا کچھ ہی حصہ مکمل کیا تھا کہ داعی اجل کا پیغام آ گیا اور ان کی یہ کاوش "سیرت آنحضرت ﷺ یعنی ایلیا کے مصداقِ حقیقی کا تعین و وضاحت" [لاہور: نقوش پریس (۱۹۵۷ء)، ۵۴ ص] شائع ہو گئی۔

قاضی حبیب الرحمن طارق کی یہ تالیف ادارۂ مطبوعات سلیمانی لاہور کی جانب سے "سیرت آنحضرت ﷺ — بائبل کی روشنی میں" کے نام سے ۱۹۸۲ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔ قاضی حبیب الرحمن سے ایک اور کتاب "عشرہ مبشرہ" [تالیف: ۱۹۳۲ء، اشاعت جدید لاہور: مکتبہ نذیریہ

(۱۹۷۳ء)، ۱۲۵ ص] بھی یادگار ہے۔
۸۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت (۱۹۴۵ء)، حصہ اوّل، ۹۶ ص اور حصہ دوم، ۱۲۵ ص
"سیّد البشر" میں شامل ایک تقریر "ربیع القلوب فی سیرت المحبوب" ہے جو سیرت کمیٹی پٹی کی شائع کردہ کتاب "سالارِ حجاز" (مرتبہ: حمید انور) میں بھی شامل ہے۔ "سالارِ حجاز" میں کچھ ایسے پیرا گراف ہیں جو "سیّد البشر" میں شامل نہیں ہو سکے۔
۹۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، استقامت، لاہور: المکتبتہ السلفیہ (مئی ۱۹۶۱ء)، ص ۳
۱۰۔ ایضاً، ص ۷-۸
۱۱۔ ایضاً، ص ۴۳
۱۲۔ دھرم پال کی تالیف "ترکِ اسلام" کے کئی جوابات لکھے گئے تھے۔ پندرہ روزہ "انوارالاسلام" (سیالکوٹ) نے "برقِ اسلام" کے نام سے بالاقساط ایک جواب شائع کیا۔ مولوی نورالدین بھیروی نے "نور الدین" کے نام سے جواب لکھا اور مولانا ثناءاللہ امرتسری (م ۱۹۴۸ء) نے "ترکِ اسلام" کے نام سے کتاب لکھی۔ دھرم پال نے آخر الذکر دونوں کتابوں کا موازنہ کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کاوش کو اپنے لیے زیادہ سخت قرار دیا تھا۔ دیکھیے: ابویحییٰ امام خان نوشہروی، نقوشِ ابوالوفاء، لاہور: ادارہ ترجمان السنہ (۱۹۶۹ء)، ص ۱۳۶ - ۱۵۲
۱۳۔ دھرم پال کی اس اپیل کے لیے دیکھیے: عبدالمجید خادم (مرتّب)، مکاتیبِ سلمان، لاہور: منیجر مسلمان کمپنی (۱۹۴۰ء)، ص ۲۵ - ۳۰
۱۴۔ سراج نظامی، عجیب دور کی عجیب شخصیت — غازی محمود دھرم پال، ماہنامہ سیّارہ ڈائجسٹ (لاہور)، فروری ۱۹۶۷ء، ص ۲۷-۲۸
۱۵۔ دھرم پال اُن دنوں لدھیانہ میں مقیم تھا۔
۱۶۔ عبدالمجید خادم (مرتّب)، مکاتیبِ سلمان، حوالہ مذکورہ، ص ۴۹ - ۵۰
۱۷۔ غازی محمود دھرم پال نے قبولِ اسلام کے بعد آریہ سماج کی تردید میں زورِ قلم صرف کیا۔ شُدھی کی تحریک کے زمانے میں غازی محمود نے عوامی انداز میں کفر توڑ، بُت شکن، جڑ مار اور سر توڑ کے نام سے مناظراتی کتابیں تالیف کیں جو اگرچہ خلاف قانون قرار دے دی گئیں مگر شائع ہوتی رہیں اور مسلمان مناظرین نے ان سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔
غازی محمود دھرم پال نے اپنی خود نوشت "داستانِ غم" کے نام سے لکھی جو طبع ہوئی مگر بازار میں نہ آسکی۔ سراج نظامی مرحوم کے جس مضمون کا حوالہ حاشیہ ۱۴ میں دیا گیا ہے، اسی خود نوشت پر مبنی ہے۔
۱۸۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، "برہان" بحوالہ مکاتیبِ سلمان، حوالہ مذکورہ، ص ۵۴
۱۹۔ ایضاً، ص ۶۵